بلیک میلر
فہمی فردوس
بھولی
بسری
یادوں
کا کاروبار
کرنے
والے
ایک
بلیک
میلر کی
چالاکی
PARKING
سیف الملوک عباسی. محمد نعمان
عقیل قریشی۔ محمد سجاد بھٹی

بلیک میلر

فہمی فردوس

بہت کمزور اور کم ظرف ہوتا ہے وہ انسان جو کسی کی کمزوری یا نادانی سے فائدہ اٹھا کر اپنی زندگی پُرسکون گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا بظاہر آسان تو نظر آتا ہے مگر... درحقیقت اس کی زندگی اور سکون کے درمیان بے چینی کا دریا حائل ہو جاتا ہے... یہ اور بات کہ یہ معما اس کی سمجھ میں نہیں آیا... کیونکہ وہ دوسروں کو بے چین کر کے خوش تھا۔

بھولی بسری یادوں کا کاروبار کرنے والے ایک بلیک میلر کی چالاکی

''آج بلا کی سردی ہے۔ لگتا ہے تھوڑے دنوں تک برلہاری شروع ہو جائے گی۔'' رومانہ نے اپنے دونوں ہاتھ رگڑ کر سردی کی شدت کو زائل کرنے کی کوشش کی۔
وہ اس وقت اپنے بیڈروم کی کھڑکی میں کھڑی باہر کے موسم کا جائزہ لے رہی تھی۔ کھڑکی کے آگے لگے شیشوں سے موسم کی شدت تو محسوس نہیں کی جا سکتی تھی مگر تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے سے درخت بری طرح لہلہا رہے تھے اور درختوں کی یہ لہلہاہٹ بتا رہی تھی کہ باہر کا موسم کس قدر برفیلا اور
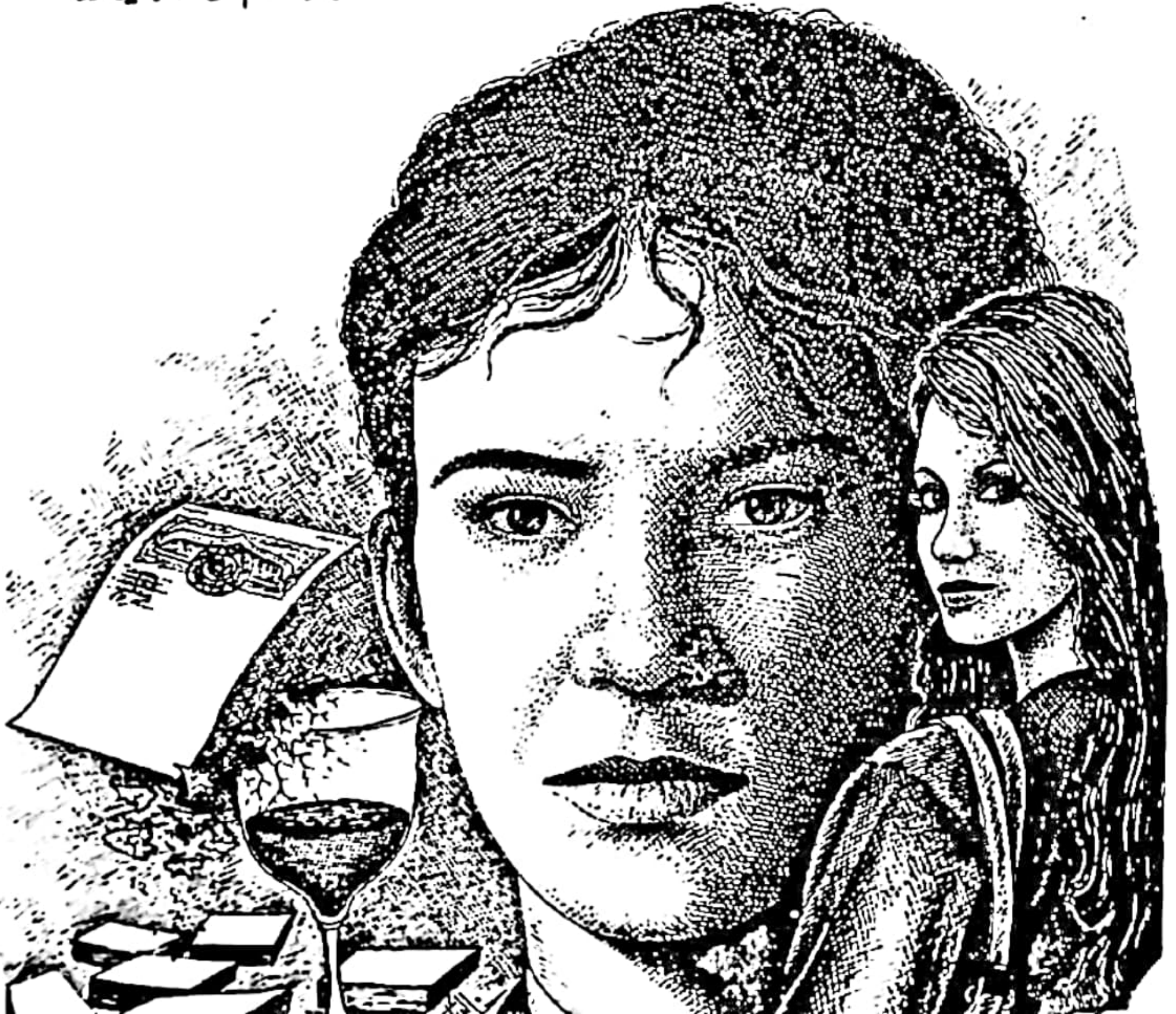
طوفانی ہے۔

اتنے میں کمرے کا دروازہ ہلکی آواز سے کھلا تو وہ چونک کر گردن موڑے اس طرف دیکھنے لگی۔ وہاں اس کی ملازمہ بشریٰ کھڑی تھی۔

''بیگم صاحبہ! میں نے اپنا کام نمٹا لیا ہے۔ آج میرا بیٹا بھی بیمار ہے، اس لیے جلدی جانا چاہتی ہوں۔''

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اپنی ملازمہ کی طرف دیکھا اور بولی: ''ہاں، تم چلی جاؤ۔'' ملازمہ واپس مڑ گئی، تو اسے خیال آیا کہ گھر میں اس وقت وہ بالکل اکیلی ہے۔

'مجھے بیرونی دروازہ چیک کر لینا چاہیے'۔ یہ سوچ کر وہ کمرے سے باہر آئی۔

بیرونی دروازہ چیک کیا اور کچن میں جا کر اپنے لیے ایک مگ کافی کا تیار کیا اور پھر کافی کا مگ ہاتھ میں پکڑے سٹنگ روم میں بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ میں اب ایک ناول تھا۔ وہ ناول کا مطالعہ کر رہی تھی اور ساتھ ہی گھونٹ گھونٹ کافی پی رہی تھی۔

رومانہ ایک ہاؤس وائف تھی۔ وہ اپنے شوہر ڈاکٹر شرجیل اور بیٹے منیب کے ساتھ ایک خوش و خرم اور پرسکون ازدواجی زندگی گزار رہی تھی۔

وہ ضلع پنجاب کے شہر ساہیوال کے رہنے والے تھے۔ شرجیل سے اس کی شادی کو دو سال ہوئے تھے۔ جب اس کا ٹرانسفر عارضی مدت کے لیے، ایبٹ آباد میں ہو گیا۔ وہ ایک سرکاری ڈاکٹر تھا۔ اس نے اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے تبادلہ رکوانے کے بجائے، ایبٹ آباد جیسے خوبصورت اور دلکش قدرتی مناظر سے مالا مال علاقے میں زندگی کے چند سال، رومانہ جیسی خوبصورت اور پُرکشش بیوی کے ساتھ گزارنا زیادہ بہتر سمجھا۔

یہاں کی خوشگوار آب و ہوا نے رومانہ پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور پرکشش ہو گئی تھی۔

منیب چار سال کا ہوا تو شرجیل اور رومانہ نے اسے ایک مقامی اسکول میں داخل کروا دیا۔ جو پیدل چلتے ہوئے بھی پندرہ بیس منٹ کی مسافت پر تھا۔ شرجیل اسے صبح اسکول چھوڑ کر آنے کے بعد اسپتال جانے کی تیاری کرتا جبکہ واپسی پر اسے ملازمہ لے آتی۔ اگر ملازمہ چھٹی پر ہوتی یا اپنے ٹائم سے پہلے چھٹی کر جاتی تو منیب کو اسکول سے لانے کا کام رومانہ کو کرنا پڑتا۔

اس خوبصورت ہل اسٹیشن پر آنے کے بعد جہاں رومانہ میں بہت سی ظاہری تبدیلیاں پیدا ہو گئیں، وہاں پر باطنی تغیر بھی رونما ہوا۔

وہ پہلے مطالعہ کرنے کی شوقین نہیں تھی مگر یہاں کی تنہائی اور پرسکون ماحول نے اسے کتابیں پڑھنے پر اکسایا۔ شرجیل آتے ہوئے اپنا خوبصورت سا بک کلیکشن بھی ساتھ لے آیا تھا۔

اب رومانہ دن کا زیادہ حصہ فراغت میں گزارنے کے بجائے ان کتابوں سے دل بہلانے لگی اور ایک دو ناول پڑھنے کے بعد اسے کتابوں کا ایسا چسکا لگا کہ وہ منیب اور شرجیل کو روانہ کرتے ہی کوئی نہ کوئی کتاب اٹھا لیتی۔

یہاں سوشل لائف نہ ہونے کے برابر تھی اور ایسا ماحول لکھنے اور پڑھنے کے لیے ہمیشہ بہت سازگار رہا کرتا ہے۔

وہ ناول پڑھنے میں بری طرح محو تھی کہ اچانک ڈور بیل بجی۔ وہ چونک گئی۔ وال کلاک کی طرف دیکھا جو ابھی صرف گیارہ بجا رہا تھا۔

''اس وقت کون آ سکتا ہے؟ شرجیل کی کوئی چیز گھر میں نہ رہ گئی ہو۔ یقیناً وہی ہو گا۔''

دروازے تک پہنچتے پہنچتے اس نے کئی قیاسے لگائے اور پھر دروازہ کھول دیا۔

سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ بے شک وہ اس شخص کو پورے دس سال بعد دیکھ رہی تھی اور ان دس سالوں نے ...... اس کے حلیے میں کافی تبدیلیاں بھی پیدا کی تھیں مگر پھر بھی رومانہ کو اسے پہچاننے میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہ لگے۔

''تم...... اور یہاں؟'' اس کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

''ہاں میں۔ تم کیا سمجھی تھیں کہ تم ان پہاڑوں میں آ کر چھپ جاؤ گی اور میں تمہیں ڈھونڈ نہیں سکوں گا؟ سچے دل سے ڈھونڈنے نکلیں تو خدا بھی مل جاتا ہے۔'' نو وارد نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تو اس کے چہرے پر برسنے والی خباثت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

وہ ہونق چہرہ لیے کھڑی رومانہ کو نظرانداز کرتے ہوئے، دندناتا ہوا اندر آ گیا۔

☆☆☆

رومانہ سولہ سال کی تھی۔ ان دنوں وہ میٹرک کے امتحانات سے تازہ تازہ فارغ ہوئی تھی۔ جب اس کے گھر میں اسد عمران کا آنا جانا شروع ہوا۔ وہ اس کا دور کا

رشتے دار تھا۔ اس کی امی کبھی کبھار رومانہ کے گھر آجایا کرتی تھیں۔

امتحانات سے فارغ ہوتے ہی رومانہ نے اپنے ابو کو ان کا وعدہ یاد دلایا۔ وہ وعدہ کمپیوٹر لے کر دینے کا تھا اور یوں رومانہ اور اس کے چھوٹے بھائی کی پُرزور فرمائش پر اس کے ابو نے انہیں پینٹیم فور کمپیوٹر لا کر دیا۔

ان دنوں کمپیوٹر پا کر وہ دونوں بہن بھائی بے حد خوش تھے۔ اب کمپیوٹر کے سامنے بیٹھنے پر بھی دونوں میں اکثر جھگڑا ہوا کرتا اور ان کی امی کبھی ڈانٹ کر اور کبھی پیار سے مصالحت کروادیا کرتیں۔ آخر امی نے تھک ہار کر دونوں کا ٹائم بانٹ دیا تھا۔

اب وہ امی کے مقرر کیے ہوئے دو دو گھنٹے کمپیوٹر استعمال کرتے اور اس طرح لڑائی جھگڑے اور تُوتکار سے نجات مل گئی اور گھر کا ماحول پُرسکون ہوگیا۔

مگر یہ سکون عارضی ثابت ہوا۔ ایک دن جب کمپیوٹر کی ونڈو کرپٹ ہوگئی، تو پھر سے ایک نیا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کرنے لگے۔ رومانہ کہتی کہ بھائی نے ونڈو اڑائی ہے اور بھائی کہتا کہ رومانہ کی غلطی کی وجہ سے ونڈو کرپٹ ہوگئی ہے۔

ایسے ہی ایک دن جب وہ زوروشور سے جھگڑا کر رہے تھے تو پاس بیٹھی ہوئی اسد عمران کی امی بولیں کہ لڑنا بند کرو۔ میرے بیٹے اسد نے کمپیوٹر کے کئی کورسز کر رکھے ہیں۔ وہ یہی کام کرتا ہے۔ تم لوگوں کا کمپیوٹر بھی ٹھیک کردے گا۔

یہ سن کر دونوں خوش ہوگئے اور اسی شام اسد عمران ان کے گھر آیا اور ان کے کمپیوٹر کی ونڈو انسٹال کردی۔

بائیس سالہ اسد عمران واجبی سی تعلیم حاصل کرنے کے بعد، اب ایک کمپیوٹر شاپ پر ملازمت کرتا تھا۔ اس کی شاپ پر ہر قسم کے کمپیوٹرز کی ریپئرنگ کا کام ہوتا تھا۔

دراز قد اور چھریرے جسم والا خوش شکل اسد، رومانہ کو ایک مشہور انڈین فلمی ایکٹر سے مشابہ لگا۔ وہ جب تک ونڈو انسٹال کرتا رہا، رومانہ کسی پروانے کی طرح اس کے گرد چکراتی رہی۔ اسد نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ وہ اس کے چھوٹے بھائی سے ہنسی مذاق کرتا رہا۔

وہ چلا گیا مگر رومانہ کا دل بھی جیسے ساتھ ہی لے گیا۔ اب وہ سارا سارا دن اس کے خیالوں میں کھوئی رہتی۔ وہ ہر وقت یہ دعا کرتی، کہ کمپیوٹر کی ونڈو پھر سے اڑ جائے اور اسد کو پھر سے بلانا پڑے۔

جب اس کی دعائیں رنگ نہ لائیں تو اس نے خود ہی کمپیوٹر کے ساتھ کچھ ایسی گڑبڑ کی کہ ونڈو اڑ گئی۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

اس نے چھوٹے بھائی کو اسد کے گھر کی طرف دوڑایا کہ جاؤ جلدی سے اسد کو بلا کر لاؤ۔ ونڈو انسٹال کروانی ہے۔

رومانہ جانتی تھی کہ آج جمعہ ہے اور جمعے کو اسد کی چھٹی ہوتی ہے۔ آج اس کی امی بھی گھر میں نہیں تھیں۔ دونوں بہن بھائی گھر میں اکیلے تھے۔ چند منٹوں بعد ہی اسد اس کے بھائی کے ساتھ آگیا۔

وہ کمپیوٹر ٹیبل کے سامنے ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گیا اور کمپیوٹر کے ساتھ مصروف ہوگیا۔

امی چونکہ گھر پر نہیں تھیں اس لیے مہمان داری کے فرائض رومانہ نے بخوشی سرانجام دیے۔ اس نے فریج سے کولڈ ڈرنک نکالی۔ اسے گلاس میں انڈیلا۔ گلاس کو ایک چھوٹی ٹرے میں رکھا اور ٹرے لاکر اسد کے آگے رکھ دی۔

”اس تکلف کی کیا ضرورت تھی بھلا؟“ اسد نے پہلی بار نظریں اٹھا کر رومانہ کی طرف دیکھا اور اس کے اس طرح دیکھنے پر رومانہ کا چہرہ تمتما اٹھا۔

”امی آپ کو ہمیشہ کولڈ ڈرنک پینے کے لیے دیتی تھیں۔ آج امی گھر میں نہیں ہیں۔ اگر آپ ایسے چلے گئے تو وہ ہم پر غصہ کریں گی۔“ رومانہ نے کچھ اس معصومیت سے جواب دیا کہ اسد کھکھلا کر ہنسنے لگا۔

اور پھر اسد کی ان کے گھر میں آمدورفت جیسے ایک معمول کی بات بن گئی۔ وہ بہانے بہانے سے ان کے گھر آنے لگا اور پھر ایک دن اس نے موقع پاتے ہی دوسروں کی نظروں سے بچتے ہوئے ایک محبت نامہ رومانہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس خط میں عامیانہ اشعار اور فلمی ڈائیلاگز کی بھرمار تھی۔

رومانہ عمر کے جس دور سے گزر رہی تھی، اسے یہ ساری باتیں کشش کی حامل اور خاص لگیں۔ وہ یہ خط پڑھ کر جیسے خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرنے لگی اور پھر اس خط کا جواب لکھنے بیٹھ گئی۔

اور پھر خطوط لینے اور دینے کا یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

کچھ ہی عرصہ گزرا تو رومانہ کی امی کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ وہ ان دونوں کی آپس میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کو محسوس کرنے لگیں اور انہوں نے اسد کی امی کے ذریعے کہلوا کر اسد کا آنا جانا بند کردیا۔

اسد سے رابطہ منقطع ہوا تو رومانہ جیسے مچھلی کی طرح تڑپنے لگی۔ اس نے یہ ایک ماہ چوری چھپے روتے ہوئے گزارا یا پھر اس کے عشقیہ خطوط پڑھتے ہوئے۔

رومانہ کی یہ بدلتی ہوئی کیفیت اس کی ماں سے پوشیدہ نہ رہ سکی مگر اس نے رومانہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ شاید یہ سوچ کر کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ سنبھل جائے گی۔

مگر یہ ان کی خام خیالی ثابت ہوئی۔ جیسے ہی رومانہ کو کالج میں ایڈمیشن دلایا گیا اور اس نے کالج جانا شروع کیا تو اسد کے ساتھ رابطہ پھر سے بحال ہو گیا۔

وہ بھائی کے ساتھ بائیک پر کالج جاتی، وہ اسے کالج کے آگے ڈراپ کرتا ہوا اپنے اسکول چلا جاتا۔ وہ کالج میں داخل ہوتی اور چند منٹ بعد پھر سے باہر آ جاتی۔ جہاں اسد اس کا منتظر ہوتا اور وہ کسی قریبی ریسٹورنٹ میں جا کر بیٹھ جاتے۔ گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا خوش گپیاں کرتے اور وہ پھر سے اسے کالج چھوڑ جاتا۔

ایک دن اسد نے اس کے سامنے بات چھیڑی۔ اس نے بتایا کہ میری امی نے تمہاری امی سے تمہارا ہاتھ مانگا تھا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

رومانہ یہ بات سن کر حیران رہ گئی۔ اس نے بتایا کہ مجھے تو بالکل خبر نہیں ہے اس بات کی۔

اس نے اسد سے وعدہ کیا۔ ”میں اپنی امی سے بات کروں گی۔ میں شادی کروں گی تو صرف تم سے اور کسی سے نہیں کروں گی۔“

”رومانہ! ہم دونوں کے بیچ اسٹیٹس کی اونچی دیوار کھڑی ہے۔ ہم لوگ تمہارے ہم پلہ نہیں ہیں۔ اسی لیے تمہاری امی نے ہمیں دھتکار دیا۔ وہ تمہارے لیے اپنے برابر کا رشتہ تلاش کریں گی۔“ اسد نے کچھ اس طرح رقت زدہ انداز میں بات کی کہ رومانہ تڑپ اٹھی۔ اس نے اسد کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اپنا عزم دہرایا کہ وہ صرف اسی سے شادی کرے گی۔

اسد نے اس کے سامنے ایک ایسی تجویز رکھی جسے سن کر رومانہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پہلے اس نے انکار کیا مگر پھر اسد کے دلائل کے سامنے جلد ہی ہار مان لی اور اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

☆☆☆

رات کے دو بجے کا وقت تھا۔ گھر کے سبھی افراد گہری اور پُرسکون نیند میں کھوئے ہوئے تھے مگر ایک مکین ایسا تھا جس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی جو بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا اور وہ تھی رومانہ۔

اسد کے ساتھ طے شدہ پلان کے مطابق آج رات اسے گھر سے فرار ہونا تھا۔

گھر کے دروازے سے کچھ فاصلے پر اسد ایک گاڑی میں اس کا منتظر ہوتا، پھر اسے ساتھ بٹھا کر ہمیشہ کے لیے یہاں سے لے جاتا۔

رومانہ کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا اور جسم کانپ رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی کا بہت بڑا فیصلہ کرنے جا رہی تھی۔ بار بار آنسو آنکھوں میں آ جاتے تو وہ انہیں اپنے اندر اتارنے لگتی اور کوشش کرتی کہ ضبط سے کام لے۔

جب وال کلاک نے اڑھائی بجایا تو اس نے ہمت مجتمع کی۔ اپنے شکستہ وجود کو سنبھالا اور بیڈ کے نیچے رکھے ہوئے بیگ کو کھینچا جس میں اس کے پہننے والے چند جوڑے کپڑوں کے علاوہ، امی ابو کے کمرے میں بنی ہوئی تجوری سے چرائے گئے امی کے کچھ زیورات اور ابو کی کمائی ہوئی کچھ رقم بھی شامل تھی۔ اس نے بیگ اٹھایا اور لرزتے قدموں سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ اس آہنی دروازے پر بڑا سا تالا جھول رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ رات کو بیرونی دروازے کو تالا ڈالنے کے بعد چابیاں کہاں رکھی جاتی ہیں۔ کی اسٹینڈ لاؤنج میں ہی ایک دیوار پر بنا ہوا تھا۔

وہ چابی لینے کے لیے واپس پلٹی، تو اس کی امی سامنے کھڑی تھیں۔ انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ اونچا کیا، جس میں چابیوں کا گچھا دبا ہوا تھا۔

”یہ رہی اس تالے کی چابی...... لے لو۔“ انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

رومانہ کے ہاتھ سے وہ بیگ چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی ماں کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی جہاں اس وقت سوائے وحشت اور ویرانی کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”مگر یہ تالا کھول کر گھر کی دہلیز پار کرنے سے پہلے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔“

اس کی ماں نے دوسرا ہاتھ آگے کیا تو اس میں ایک ریوالور دبا ہوا تھا۔

”تمہیں ہم تینوں کو موت کے گھاٹ اتارنا ہوگا۔ یہ گن لوڈڈ ہے اور یقین کرو تمہارے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ جو لڑکی اپنے والدین کی عزت کا جنازہ نکال سکتی ہے، اس کے لیے اپنے خونی رشتوں کو موت کے گھاٹ اتارنا بھی زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوتا۔ تمہارے ہاتھوں مرنے میں ہمیں اتنی

تکلیف نہیں ہوگی، جتنی لوگوں کے طعنے تشنے سہہ کر روز روز مرنے میں محسوس ہوگی۔"

وہ دوڑ کر ماں سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"مجھے معاف کردیں امی...... مجھے معاف کردیں۔" وہ اسی فقرے کی تکرار کیے جارہی تھی اور روئے جارہی تھی۔

اس کی ماں نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ اس کے آنسو پونچھے اور اسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے اندر لے گئیں۔

اس کی دوراندیش ماں نے اس کے باپ کو کچھ بھی بتائے بنا، ایک معقول بہانہ کر کے وہ محلہ چھوڑ دیا۔

اب وہ شہر کے ایک پوش ایریا میں شفٹ ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی رومانہ کا کالج بھی بدل گیا۔ اب اسے کالج لانے اور لے جانے کی ڈیوٹی اس کی امی نے خود سنبھال لی۔ وہ گاڑی پر اسے ساتھ بٹھا کر کالج چھوڑنے جاتیں اور گاڑی پر ہی اسے لینے جاتیں۔

اس واقعے کے بعد رومانہ نے کبھی بھی کالج ٹائم میں گیٹ سے باہر جھانکنے کی غلطی نہیں کی اور اس طرح اس کی اسد سے جان چھوٹ گئی۔ وہ اس کی زندگی سے نکل گیا۔

کچھ عرصے بعد اسے پتا چلا کہ وہ محلے کی ایک اور خوبصورت لڑکی کو لے کر گھر سے فرار ہو گیا ہے۔ رومانہ نے جب یہ خبر سنی تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اسے اسد سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا اس نفرت میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اسے رہ رہ کر اپنی حماقت پر غصہ آنے لگتا اور اپنی ماں پر بے حد پیار...... جس نے اسے تباہ ہونے سے بچا لیا تھا۔

اس نے بی اے کیا، تو ڈاکٹر شرجیل کا رشتہ آ گیا۔ امی ابو نے اچھی طرح چھان پھٹک کر کے اس کا رشتہ شرجیل کے ساتھ طے کر دیا اور وہ بیاہ کر شرجیل کے گھر آ گئی۔ ایک سال بعد خدا نے اسے اولاد جیسی نعمت بھی عطا کر دی۔ اس کی زندگی مکمل ہو گئی۔

اسد عمران اس کے لیے ایک بھولا بسرا خواب بن گیا اور وہ اپنے شوہر اور بچے کے ساتھ خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے لگی۔

ایک بار باتوں باتوں میں اسد کی فیملی کا ذکر چھڑا تو رومانہ کی امی نے اسے بتایا کہ جس لڑکی کے ساتھ وہ فرار ہوا تھا، اسے لاہور کے بازار میں فروخت کر کے وہ بیرونِ ملک بھاگ گیا تھا۔ لڑکی کے لواحقین نے پولیس کی مدد سے لڑکی بازیاب کروالی تھی اور آج دس سال گزر جانے کے بعد وہی اسد...... اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

☆☆☆

"کیوں آئے ہو یہاں؟"

وہ دونوں سٹنگ روم میں ایک دوسرے کے مدمقابل بیٹھے تھے جب رومانہ نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"کزن ہوں تمہارا...... فرسٹ نہ سہی سیکنڈ ہی سہی...... ہوں تو کزن اور کسی زمانے میں عاشق بھی رہا ہوں۔ اس قدر بے مروتی سے بات کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا ڈیئر۔" اس کے چہرے پر ایک شاطرانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"اپنی اس گھٹیا زبان سے خود کو میرا عاشق مت کہو۔" وہ سیخ پا ہو کر بولی۔

"ہائے...... تم غصے میں اور بھی زیادہ حسین لگتی ہو۔ ایک بات کہوں...... تم بہت بدل گئی ہو۔ پہلے سے بھی زیادہ حسین اور پرکشش ہو چکی ہو۔ اگر میں یہ کہوں کہ آج سے دس سال پہلے تم ایک نوخیز کلی تھیں اور اب کھل کر ایک تروتازہ پھول بن چکی ہو تو یقیناً غلط نہیں کہوں گا۔"

"مگر افسوس تم آج بھی نہیں بدلے۔ دس سال پہلے بھی خبیث تھے اور دس سال بعد بھی ویسے ہی نظر آ رہے ہو۔"

"تمہارا اندازہ غلط ہے جان...... میں کافی ترقی کر چکا ہوں۔ اگر دس سال پہلے میں خبیث تھا تو آج مجسم شیطان بن چکا ہوں۔" وہ پھر سے ہنسنے لگا۔

"مطلب کی بات کرو...... میں جانتی ہوں کہ تم جیسا مطلب پرست آدمی بنا مطلب کے اس دور دراز اور دشوار گزار علاقے کا سفر نہیں کر سکتا۔" رومانہ نے بیزاری سے پہلو بدلا۔

"یہ بات بھی ٹھیک کہی تم نے۔ بنا مطلب کے کون کسی کے پاس آتا ہے۔" اس نے فلسفیانہ انداز میں سر ہلایا اور بات جاری رکھی۔ "میں اب سیدھی بات کروں گا۔ تم سے ایک سودا کرنے آیا ہوں۔"

"کیسا سودا؟" رومانہ کا ماتھا ٹھنکا۔

"تمہاری اس پُرسکون اور خوشگوار ازدواجی زندگی کا سودا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ...... اس لگژری لائف کے بدلے تمہیں، مجھے کچھ دینا ہوگا۔ وعدہ کرتا ہوں، میں ہمیشہ کے لیے تمہاری زندگی سے نکل جاؤں گا۔ جیسے پہلے دس سال

شرافت سے گزارے، باقی کی زندگی بھی اسی طرح گزار دوں گا۔" وہ اب کینہ توز نظروں سے رومانہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔ تو تم مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو؟" رومانہ کے لہجے میں، اس کے لیے بے انتہا نفرت تھی۔

"اگر تم اس ڈیل یا ایگریمنٹ کو بلیک میلنگ کا نام دینا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔ "مگر پتا نہیں کیوں...... مجھے اس لفظ سے بے انتہا چڑ ہے۔ کانوں کو بالکل بھی اچھا نہیں لگتا یہ لفظ...... بلیک میلنگ۔ یہ لفظ سنتے ہی کسی سفاک اور جابر انسان کی شبیہہ آنکھوں کے سامنے ابھرنے لگتی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"کیا چاہتے ہو تم مجھ سے ...... اپنی ڈیمانڈ بتاؤ؟" رومانہ کے پُرسکون لہجے نے چند لمحوں کے لیے اسے مبہوت کردیا۔

"کچھ زیادہ نہیں، صرف دس لاکھ روپے اور......" وہ فقرہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اور......؟" اب کی بار وہ پُرسکون نہ رہ سکی۔

"اور تمہاری زندگی کی ایک رات...... صرف اپنی ایک رات مجھے دے دو۔"

رومانہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ مضطرب ضرور دکھائی دینے لگی تھی مگر ہراساں نظر نہیں آرہی تھی۔ اب تو وہ بھی اس کے مضبوط اعصاب کا قائل ہوگیا۔

"اگر میں تمہاری شرائط ماننے سے انکار کردوں تو؟" رومانہ خود پر قابو رکھنے کے باوجود بھی اپنی آواز کے ارتعاش پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔

"تو میں تمہارے لڑکپن کی عمر میں لکھے ہوئے وہ سارے عشقیہ خطوط، جو تم میرے نام لکھتی رہی تھیں، تمہارے شوہر کے حوالے کردوں گا اور تم ابھی تک مجھ سے محبت کرتی ہو...... مجھے بھلا نہیں سکیں، اس بات کا یقین دلانا بھی میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔" اس کا لہجہ اب سفاک ہوچکا تھا۔

"تم سے محبت کرنا اور تمہیں وہ عشقیہ خطوط لکھنا میری نوعمری کی نادانی تھی۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں ایسی نادانیاں اکثر لڑکیاں کرجاتی ہیں۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"میں تمہاری بات سے متفق ہوں۔ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ انسان عقل کے بجائے جذبات سے سوچتا ہے مگر ان میں سے اکثر لڑکیوں کے عاشق بزدل اور شریف ہوتے ہیں۔ جو عشق میں ناکام ہوجانے کے باوجود، ان کی زندگیوں میں دوبارہ کبھی دخل اندازی نہیں کرتے...... اور میں نہ تو بزدل ہوں اور نہ ہی شریف۔"

"وہ دس سال پرانے خطوط تم نے ابھی تک سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں...... یقین نہیں آتا۔" وہ بے یقینی سے بولی۔

اس کی بات سن کر وہ مسکرایا اور اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب سے ایک بڑے سائز کا خاکی لفافہ باہر نکالا۔ اس نے لفافے کو میز پر الٹ دیا۔ اس میں سے بے شمار کاغذ کے ٹکڑے نکل کر میز پر بکھر گئے۔

"تمہاری محبت کی حسین یادگاروں کو سینے سے لگا کر رکھا ہوا ہے۔"

رومانہ نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھانا چاہا، تو اس نے جھپٹ کر سارے خط اکٹھے کیے۔ اور لفافے میں واپس ڈالے۔ لفافہ جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھا۔

"انہیں پڑھنے کا حق صرف تمہارے شوہر کو ہے، تمہیں نہیں۔"

"میں دس لاکھ نقد تمہیں کہاں سے دے سکتی ہوں بھلا؟ میرا شوہر ایک سرکاری ڈاکٹر ہے اور سرکاری ڈاکٹر کی تنخواہ کتنی ہوتی ہے، تم اندازہ لگا سکتے ہو۔"

"سرکاری ڈاکٹر کی تنخواہ بہت زیادہ نہیں ہوتی، جانتا ہوں۔ مگر تمہارا شوہر ایک کھاتے پیتے آسودہ حال گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا فیملی بیک گراؤنڈ کافی مضبوط ہے۔ تم یہ پُرآسائش زندگی صرف اپنے شوہر کی تنخواہ پر نہیں گزار رہیں۔ میں ہر چیز کی معلومات حاصل کرنے کے بعد تمہارے پاس آیا ہوں اور پھر تمہارے پاس اتنے زیورات ہیں کہ جسے بیچ کر تم بہ آسانی دس لاکھ کی رقم ادا کرسکتی ہو مجھے۔"

"مگر میری ساری جیولری ساہیوال کے ایک بینک لاکر میں پڑی ہے۔ میں نے اپنا زیور یہاں ساتھ لانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔"

رومانہ کا ذہن اس وقت برق رفتاری سے کام کررہا تھا۔ وہ اس ناگہانی مصیبت سے جان چھڑانے کی کوئی تدبیر سوچ رہی تھی۔

"اس کا حل ہے میرے پاس...... تم کوئی بھی بہانہ کرکے میرے ساتھ واپس ساہیوال چلو۔ وہاں جاکر اپنے لاکر سے سارا زیور نکال کر میرے حوالے کردینا اور ایک دو دن اپنے سسرال اور میکے میں گزار کر واپس آجانا۔"

"یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ شرجیل

سو ملین کرنے کے لیے کافی پاپڑ بیلنے پڑیں گے مجھے۔" اس نے ناگواری سے جواب دیا۔

"تو بیل لینا...... پاپڑ بیلنے میں تو تم پہلے ہی کافی مہارت رکھتی ہو۔ اتنی ذہین ہو، اپنی ذہانت کو بروئے کار لاؤ ڈارلنگ۔"

"اگر میں تمہاری ایک شرط مان لوں اور دوسری ماننے سے انکار کردوں تو......؟"

"کونسی مانو گی اور کس سے انکار کرو گی؟" اس نے بڑا اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے ساتھ رات گزارنے والی شرط مجھے منظور نہیں۔ دوسری پر غور کرسکتی ہوں۔"

"میں کسی ایک بھی ڈیمانڈ سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں اور مت بھولو کہ تم اپنی من مانی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔ تمہیں میری مرضی کے مطابق چلنا ہوگا۔" وہ فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

"مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔"

"آف کورس...... ضرور سوچو۔ مگر تمہارے پاس سوچنے کے لیے وقت صرف آج رات بارہ بجے تک کا ہے۔ رات کے بارہ بجے تم میری خواب گاہ میں آؤ گی۔ میں آج کی رات تمہارے ہاں بطور مہمان بن کر گزاروں گا۔ اگلا لائحہ عمل تمہاری ہاں یا نہ کے بعد ترتیب دوں گا۔"

اسی وقت ڈور بیل بجی۔ رومانہ یوں اچھلی، جیسے اس کے پاؤں پر کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس کے چہرے کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے بیرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

☆☆☆

رومانہ مردہ قدموں سے چلتے ہوئے دروازے تک پہنچی۔ لرزتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا تو سامنے پوسٹ مین کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ کتابیں تھیں جو یقیناً شرجیل نے آن لائن منگوائی تھیں۔

رومانہ نے سائن کیے اور کتابیں وصول کر کے اندر لا کر سینٹر ٹیبل پر رکھ دیں۔

"تمہارا شوہر کافی ادبی قسم کا ڈاکٹر لگتا ہے۔"

اسد نے کتابوں کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں، وہ کتابیں پڑھنے کے شوقین ہیں، اور انہیں دیکھتے ہوئے میں بھی مطالعہ کرنے کی عادی ہوگئی ہوں۔" رومانہ کے لہجے سے بیزاری عیاں تھی۔

"تمہارے گھر میں مہمان آنے پر چائے پانی پوچھنے کا رواج نہیں ہے کیا؟ کافی دیر سے بیٹھا باتیں کررہا ہوں، مگر مجال ہے کہ تم نے ایک بار بھی چائے یا کافی کا پوچھا ہو۔" وہ شکوہ کناں ہوا۔

"کیا بناؤں چائے یا کافی؟" رومانہ نے سرد مہری سے پوچھا۔

"موسم کی شدت کو دیکھتے ہوئے تو کافی ہی پینا چاہوں گا اور مجھے لگتا ہے کہ میرے آنے سے پہلے تم بھی کافی سے ہی لطف اندوز ہورہی تھیں۔ ہیں نا؟" وہ یقیناً رومانہ کا کافی والا خالی مگ دیکھ کر اندازہ لگا چکا تھا۔

"او کے، میں کافی بنا کر لاتی ہوں اور تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ تم یہ کافی پی کر شرافت سے یہاں سے نکل جاؤ۔"

"ارے واہ! مجھے کیا پاگل سمجھا ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اتنی دور سے اتنا لمبا سفر طے کر کے یہاں تمہارے ہاتھ سے بنی ایک کپ کافی پینے کے لیے آیا ہوں؟ نہ میری جان...... یہ دیوانہ کچھ حاصل کیے بنا یہاں سے ٹلنے والا نہیں۔"

وہ تلملاتی ہوئی کچن میں گئی اور اس کے لیے کافی بنانے لگی۔

کافی بناتے ہوئے بھی وہ اس ساری صورت حال سے نمٹنے کا کوئی حل سوچ رہی تھی۔ اس نے کافی کا مگ اس کے آگے پٹخنے والے انداز میں رکھا تو وہ مسکرانے لگا۔

"کافی کا یہ مگ تم بڑے پیار سے بھی میرے ہاتھ میں تھما سکتی تھیں۔ جیسے آج سے دس سال پہلے تھمایا کرتی تھیں۔"

"میرے بیٹے کی چھٹی کا ٹائم ہوگیا ہے۔ میں اس کے اسکول جارہی ہوں اسے لینے کے لیے۔"

"بے فکر ہو کر جاؤ...... میں تمہارے آنے تک کافی سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔"

اس نے اوور کوٹ پہنا۔ بیرونی گیٹ کی چابی کی اسٹینڈ سے اتاری اور باہر نکل کر دروازے کو لاک کردیا۔

وہ منیب کے اسکول کی طرف چلنے لگی۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ کیوں نہ اسکول جانے سے پہلے پولیس اسٹیشن چلی جائے۔

... وہاں موجود اہلکاروں کو بتائے کہ ایک بلیک میلر میرے گھر میں آیا بیٹھا ہے۔ جو مجھ سے ایک خطیر رقم مانگنے کے علاوہ میری عزت کی دھجیاں بھی اڑانا چاہتا ہے مگر اس کے آگے جو صورت حال پیش آتی، اس کے شوہر کو اور اسے کیسے کیسے شرمناک سوالات کا سامنا کرنا پڑتا اور اس کا اسکینڈل

بن کے اخبارات میں بھی چھپ جاتا شاید۔ ان ساری باتوں کا تصور کرکے ہی وہ کانپ اٹھی۔

تو کیا کروں؟ شرجیل کو فون کرکے ساری صورت حال سے آگاہ کردوں؟ سولہ سترہ سال کی عمر میں ہونے والی نادانیوں کی اس سے معافی مانگ لوں مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہوگی کہ وہ میرا ساتھ دے گا اور آنکھیں بند کرکے میری باتوں پر یقین کرلے گا؟ اگر ایسا نہ ہوا تو میری ہنستی بستی جنت اجڑ جائے گی۔ وہ میرے بچے کو مجھ سے چھین کر مجھے اپنی زندگی سے نکال باہر کرے گا۔

سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہونے لگا۔

تو کیا میں اس خبیث کی شرائط مان لوں؟ نہیں نہیں...... اس نے جھرجھری لی۔ میں ایسا کبھی نہیں کروں گی اور عزت کا سودا تو کبھی نہیں...... کسی شرط پر نہیں۔

سوچوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتی ہوئی وہ منیب کے اسکول جا پہنچی، اسے ساتھ لیا اور واپسی کا سفر شروع ہوگیا، واپسی پر پھر سے اس کا دماغ اس الجھن کو سلجھانے میں مصروف ہوگیا اور گھر پہنچتے پہنچتے اس کے دماغ نے ایک ایسا حل پیش کیا جسے سوچتے ہی اس کے ہونٹ سناکی سے مسکرانے لگے۔

وہ اب مطمئن ہوگئی تھی۔ وہ کسی کی مدد کے بغیر، اکیلی اس مسئلے کو حل کرسکتی تھی۔

اگر اسد نے اسے ذہین کہا تھا تو کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہا تھا۔ وہ منیب کے ہمراہ گھر میں داخل ہوئی تو اس کے اعصاب پوری طرح پُرسکون ہوچکے تھے۔

اسد لاؤنج میں رکھے ہوئے صوفے پر نیم دراز تھا اور ایک کتاب کی ورق گردانی کررہا تھا۔

منیب اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا اور ماما کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''یہ تمہارے ماموں ہیں بیٹا۔ انہیں سلام کرو۔''

یہ سن کر اسد نے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں رومانہ کی طرف دیکھا مگر وہ اسے یکسر نظرانداز کرتے ہوئے پھر سے منیب سے مخاطب ہوئی۔

''کیا کھاؤ گے منیب؟ چکن نوڈلز یا اسپیگٹی؟''

''چکن نوڈلز۔'' منیب نے جواب دیا۔

رومانہ کچن میں گھس گئی اور منیب آہستگی سے چلتا ہوا اسد کے پاس آیا۔ جھجکتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ اسد نے سردمہری سے اس سے مصافحہ کیا۔

''کیسے ہیں ماموں جان! میں نے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔''

''ماموں مت کہو یار...... تم مجھے انکل کہہ سکتے ہو۔'' اس نے بیزارکن لہجے میں منیب کو ٹوکا۔

''اوکے۔ ایز یو وش...... انکل۔'' منیب نے نہایت متانت سے جواب دیا۔

''یہ کمبخت بھی اپنی ماں کی طرح کافی ذہین لگتا ہے۔'' اسد زیرلب بڑبڑایا۔

''آپ نے مجھ سے کچھ کہا ہے انکل؟'' منیب اس سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں نہیں...... مجھے عادت ہے، خود سے باتیں کرنے کی۔'' اسد نے ایک جبری مسکراہٹ چہرے پر لانے کی کوشش کی۔

کچھ دیر بعد رومانہ نے دو باؤل گرماگرم چکن نوڈلز کے ان کے آگے رکھے تو وہ دونوں نوڈلز کھانے لگے اور رومانہ اپنے ذہن میں آگے کا پلان ترتیب دینے لگی۔

☆☆☆

''میں نے فیصلہ کرلیا۔'' رومانہ کی یہ بات سن کر اسد چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس وقت صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے، سگریٹ کے گہرے کش لگا رہا تھا۔

رومانہ منیب کو اپنے بیڈروم میں سلا کر پھر سے اس کے پاس آبیٹھی تھی۔

''کیا فیصلہ کیا پھر؟'' اس نے پوچھا۔

''مجھے تمہاری دونوں شرطیں منظور ہیں مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تم یہ سارے خطوط میرے حوالے کردو گے اور آئندہ کبھی میری زندگی میں دخل اندازی نہیں کرو گے؟''

''تمہیں میری زبان پر اعتبار تو کرنا ہی پڑے گا کیونکہ اس کے سوا تمہارے پاس کوئی دوسرا آپشن موجود نہیں ہے۔'' اس کا مکارانہ انداز بتا رہا تھا کہ وہ اپنے وعدے کی پاسداری کبھی نہیں کرے گا۔

رومانہ کے دل میں نفرت کی ایک تند لہر نے سر اٹھایا مگر اس نے کنٹرول کرتے ہوئے، خود کو جلد ہی پُرسکون کرلیا۔

''تمہارے پاس تو ابھی کافی وقت پڑا تھا فیصلہ کرنے کے لیے...... کچھ زیادہ ہی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کردیا؟'' اس کا لہجہ تمسخر اڑانے والا تھا۔

''میں نے ہر پہلو پر اچھی طرح سوچنے اور سمجھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اچھا جی...... مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ تم معاملات کی سنگینی کو سمجھنے کی پوری کوشش کرو

ہی۔ تو پھر رات کو کس وقت آؤ گی؟ میرے لیے انتظار کا ایک ایک پل گزارنا بہت مشکل ہوگا۔" اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک عود کر آئی۔

"آٹھ بجے تک شرجیل گھر آتے ہیں۔ نو بجے تک ہم لوگ ڈنر سے فارغ ہوتے ہیں اور گیارہ بجے تک وہ ہم دونوں ماں بیٹے کے ساتھ اپنا وقت گزارتے ہیں۔ گیارہ سے بارہ بجے کے درمیان وہ سو جاتے ہیں۔"

"ہوں۔ یعنی بارہ بجے تک تم آ جاؤ گی...... رائٹ؟" وہ بے صبری سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں! شاید...... مگر......"

"مگر کیا؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"اگر اس دوران شرجیل جاگ گئے اور مجھے ڈھونڈتے ہوئے اوپر تمہارے کمرے میں پہنچ گئے تو......؟" وہ استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم ایک ڈاکٹر کی بیوی ہو اور تمہارے گھر میں سلیپنگ پلز کا ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اسے کسی بھی لیکویڈ چیز میں دو تین گولیاں ملا کر پلا دینا۔"

"ہمارے گھر میں کوئی بھی ٹرنکولائزر میڈیسن نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں کبھی اس کی ضرورت نہیں پڑی۔ دونوں میاں بیوی پُرسکون گہری نیند سوتے ہیں۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا جی...... تم لوگ تو پھر کافی خوش قسمت ہو مگر میں اس معاملے میں بہت بدنصیب ہوں۔ اکثر نیند کی گولیاں کھا کر ہی سوتا ہوں۔"

"نیند آنے کا دارومدار انسان کے اندرونی سکون سے ہوتا ہے۔ جس کا ضمیر مطمئن اور پُرسکون ہوتا ہے، اسے ہی گہری اور پُرسکون نیند نصیب ہوتی ہے۔" رومانہ نے طنزیہ لہجے میں ان پر چوٹ کی۔

"تمہاری اس بات سے متفق ہوں۔" وہ مسکرایا۔ "باقی یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ میں بھی اپنے پاس ہمیشہ دوا رکھتا ہوں۔ مجھ سے چند گولیاں لے لو اور دودھ کے گلاس میں دو یا تین گولیاں حل کر کے سونے سے پہلے اسے پلا دینا۔ کل دوپہر چڑھے تک سوتا رہے گا۔" اس نے ایک آنکھ میچ کر قہقہہ لگایا۔

رومانہ نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

اسد نے اپنے بیگ سے گولیوں کا ایک پتا نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔ "یہ لو...... اور ہاں، بارہ بجے تک اوپر آ جانا۔ میں تمہارا بے چینی سے انتظار کروں گا۔"

"اوکے۔"

☆☆☆

رات کو شرجیل آیا تو رومانہ نے اسد کا تعارف اپنے کزن کی حیثیت سے کروایا۔ شرجیل نے خوش دلی سے اس سے مصافحہ کیا۔ کھانے کی میز پر بھی دونوں کے درمیان ہلکی پھلکی گفتگو چلتی رہی۔ کھانے کے بعد اسد اوپری پورشن میں بنے ہوئے بیڈ روم میں سونے کے لیے چلا گیا۔

روٹین کے مطابق رات کے گیارہ بجے شرجیل نے دودھ کا گلاس پیا۔ دودھ پینے کے پندرہ بیس منٹ بعد ہی شرجیل گہری نیند سو گیا۔

اس نے ایک اور گلاس دودھ کا بھرا اور اوپری پورشن میں اسد کے پاس پہنچ گئی اور دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے گلاس پکڑ کر ہونٹوں سے لگانے سے پہلے اس کی طرف دیکھا۔

"کہیں اس میں بھی تو نیند کی گولیاں نہیں ڈال کر لے آئیں؟"

"نہیں...... یہ لو اپنی باقی گولیاں۔ دیکھ لو، پورے پتے میں سے صرف تین گولیاں ہی کم ہیں جو میں نے شرجیل کے دودھ میں ڈالی تھیں۔"

"گڈ گرل۔" اس نے رومانہ کا بڑھایا ہوا وہ گولیوں کا پتا پکڑ لیا اور اس بات کی اچھی طرح تسلی کر لی کہ پتے میں سے صرف تین گولیاں ہی کم ہیں اور پھر دودھ کا گلاس غٹا غٹ پی گیا۔

دودھ پینے کے بعد اس نے رومانہ کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر رومانہ اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

"ابھی تھوڑی دیر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ شرجیل تو دوا کے زیر اثر گہری نیند سو رہا ہے۔ اب ڈر کس بات کا ہے؟" وہ ایک ادا سے مسکرائی اور وہ رومانہ کی میٹھی میٹھی باتوں میں کھو گیا۔ تھوڑی دیر بعد رومانہ نے اٹھ کر کمرے کی لائٹ آف کر دی۔

☆☆☆

وہ گہری نیند کے مزے لے رہی تھی۔ جب شرجیل نے اسے جھنجوڑ کر جگایا۔

"رومانہ اٹھو...... اوپر جا کر دیکھو...... تمہارا کزن کمرے میں مردہ پڑا ہے۔"

یہ بات سن کر وہ بجلی کی سی سرعت سے اٹھ بیٹھی۔

"کیا...... کیسے......؟" اس کے منہ سے بے اختیار یہ دو لفظ نکلے۔

"اس کی موت سانس گھٹنے سے واقع ہوئی ہے۔ اس نے بھی وہی غلطی کی، جو اکثر لوگ کر جاتے ہیں۔ بچارہ رات کو گیس ہیٹر آن کر کے سویا ہوگا۔ رات کے کسی پہر گیس کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے ہیٹر بند ہو گیا ہوگا اور پھر دوبارہ گیس آنے پر گیس خارج ہوتی رہی اور کمرے میں بھرتی گئی۔ کھڑکیاں اور دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اس کا سانس گھٹ گیا اور وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔"

رومانہ تیز قدموں سے بھاگتے ہوئے اوپر گئی۔ اسد کو مردہ حالت میں دیکھ کر اسے گونا گوں سکون ملا۔ وہ اپنے بیڈ پر آڑا ترچھا پڑا ہوا تھا۔

وہ مسکرانے لگی اور رات والے واقعات پھر سے اس کے ذہن میں تازہ ہو گئے۔

اسے اپنے پلان پر عمل درآمد کرتے ہوئے کسی خاص مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس نے وہ تین گولیاں شرجیل کے دودھ میں ملانے کے بجائے اسد کے دودھ والے گلاس میں ملا دی تھیں اور اسے دودھ دینے کے بعد صرف چند منٹ ہی تو اس کے سامنے بیٹھ کر باتوں سے بہلانا پڑا تھا۔

اگر اس دن اسد اسے سلیپنگ پلز کی گولیوں والا پتا نہ بھی دیتا تو اس کے پاس پہلے ہی کافی مقدار میں سلیپنگ پلز پڑی ہوئی تھیں۔ جو ایک دفعہ کم خوابی کی شکایت میں شرجیل نے اسے لا کر دی تھیں۔

دودھ پینے کے پندرہ بیس منٹ بعد ہی اسد انٹا غفیل ہو گیا تھا۔ اس کے بے سدھ ہونے کے بعد رومانہ نے اس کے کمرے کی کھڑکی اچھی طرح بند کی۔ گیس ہیٹر کا والیوم کھولا، جس سے گیس تیزی سے خارج ہونے لگی اور کمرے میں بھرنے لگی۔

اس کے بعد وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے آہستگی سے چلتی ہوئی نیچے آ گئی اور اپنے شوہر کے پہلو میں آ کر سو گئی جو گہری اور پُرسکون نیند سویا ہوا تھا۔

اسے یقین تھا کہ جب وہ صبح سو کر اٹھے گی، تو ایک بڑی خوشخبری اس کی منتظر ہوگی اور یہ خوشخبری یقیناً اس کا محبوب شوہر ہی اسے سنائے گا۔

"مجھے تمہارے کزن کی ناگہانی موت کا بہت افسوس ہو رہا ہے۔"

شرجیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور وہ ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے اس کے ساتھ لگ کر سسکنے لگی۔